خطبات کا اصل موضوع

چودھری مظفر حسین

علامہ اقبالؒ کے خیالات میں قیام یورپ (1905ء تا 1908ء) کے دوران ایک تدریجی انقلاب آیا جسے آپ ضبط تحریر میں لانا چاہتے تھے تاکہ اوروں کے لیے سبق آموز ہو۔[1] اپنے خیالات میں تبدیلی کے اس عمل کو آپ قلمبند تو نہ کر سکے البتہ اس تبدیلی کی بنا پر آپ جس نتیجے پر پہنچے تھے' اس کا تذکرہ ان کی شاعری کے علاوہ دوسری تحریروں میں بھی بار بار ملتا ہے' اور وہ نتیجہ یہ ہے کہ مغربی تہذیب زوال پذیر ہو کر آخرکار اپنے انجام کو پہنچے گی اور اسلام سربلند ہو کر رہے گا۔ اپنے اس ایقان کا پہلا باضابطہ اعلان آپ نے مارچ 1907ء میں لکھی گئی غزل کے مندرجہ ذیل اشعار میں کیا ہے:۔

دیار مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو' وہ اب زرکم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا' ناپائیدار ہو گا[2]

اور تہذیب مغرب کی خود کشی کی خبر دینے سے بھی پہلے آپ نے ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کی نوید ان یقین افروز اشعار میں سنائی:۔

سنا دیا گوش منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا' پھر استوار ہو گا
نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا[3]

سید نذیر نیازی صاحب (مرحوم) فرمایا کرتے تھے کہ یہ دو اشعار ایک روحانی واردات کا ماحصل ہیں جس کی تفصیل علامہ اقبال نے انہیں خود بتائی تھی۔ نیازی صاحب (مرحوم) کی عمر نے وفا نہ کی ورنہ وہ "دانائے راز" کی دوسری جلد میں اس روحانی واردات کا تفصیلی ذکر کرتے۔ راقم الحروف کو نیازی صاحب (مرحوم) نے فقط اتنا بتلایا تھا کہ عالم کشف میں آپ نے ایک شمشیر بکف عربی شہسوار کو شیر کی پیٹھ پر سواری کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ "سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے" کی روحانی واردات کا تذکرہ چودھری محمد حسین (مرحوم) کے نام آپ کے ایک خط میں بھی ملتا ہے جو 30 اگست 1923ء کو لکھا گیا۔ اس میں آپ لکھتے ہیں:

"There is lot of enthusiasm on havens in respect of the victory of muslims but those on earth as silent May God have pity on them. Our religious scholars and saints have turned Islam into an ancient creed"[4]

(عالم بالا میں مسلمانوں کی فتح و نصرت کے سلسلے میں بہت جوش و خروش پایا جاتا ہے، لیکن ساکنان زمین مہلب ہیں۔ خدا ان کے حال پر رحم فرمائے، ہمارے علماء و مصلحاء نے اسلام کو ایک ایشیائی مذہب بنا کر رکھ دیا ہے۔)

اسی خط میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

"If one studies Islam through the writings of Muslims not knowing that Islam's advent took place thirteen hundred years ago he will not reach the conclusion that Islam is such a modern religion .....

"I am sorry that Muslims have never recognised the modernity of Quran. They instead have interpreted its subject and truths in light of ancient peoples and thus have mutilated its real sense and intent.[5]

(اگر کوئی شخص یہ نہ جانتا ہو کہ اسلام آج سے تیرہ سو سال پہلے آیا تھا اور اسلام کا مطالعہ ان کی لکھی ہوئی کتابوں کی روشنی میں کرے تو وہ کبھی اس نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا کہ اسلام اس قدر جدید مذہب ہے.... مجھے افسوس ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کی جدیدیت کا احساس نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس قرآن کے موضوع اور حقائق کی تشریح کے قدیم اقوام کی روشنی میں کی، اور یوں اس کے اصل مفہوم اور منشا کو مسخ کر ڈالا۔)

علامہ اقبال نے حقائق قرآن کا مطالعہ چونکہ فکر جدید کی روشنی میں کیا تھا، اس لیے انہیں اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ دور حاضر کے انسان کے سامنے قرآن کی حکمت کو جدید سائنس اور فلسفے کی زبان میں پیش کرنے کی ضرورت ہے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ قرآن وقت کے بدلتے ہوئے

تقاضوں کا ساتھ دے سکتا ہے۔ اور مغربی تہذیب کے خاتمے کے بعد دنیا کو جس نئی تہذیب کی ضرورت پیش آئے گی' اسے اگر قرآن کی اساس پر قائم ہونا ہے تو مسلمانوں کو اسلامی فکر کی نشاۃ ثانیہ کی راہ ہموار کرنی چاہیے۔ چنانچہ اسی خط میں وہ لکھتے ہیں:

"Now alongwith the renaissance of Muslim communities, the renaissance of Islam also is needed. I pray to God Almighty that He, for the sake of his beloved, the prophet (PBUH) produces such an interpreter among Muslims who gets at the "lost wisdom" once more and offers it to Ummah. Our demise is not near at hand. The Quran still holds on."[6]

(اب مسلم اقوام کی نشاۃ ثانیہ کے ساتھ ساتھ اسلام کی نشاۃ ثانیہ بھی درکار ہے۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے حبیب پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے مسلمانوں میں ایسا مفکر پیدا کرے جو قرآن کی "حکمت گمشدہ" لوٹا دے۔ ہمارا خاتمہ قریب نہیں آ لگا ہے۔ قرآن آج بھی کفایت کرتا ہے۔)

علامہ اقبال کو اس بات کا بھی اندازہ تھا کہ اسلام کی آفاقیت کے پیش نظر ان کی اردو اور فارسی شاعری وسیع تر ابلاغ کی متحمل نہیں' اس لیے وہ عصر جدید کے اجتہادی مسائل پر اپنے خیالات کو جدید فلسفے کی زبان میں پیش کرنے کے لیے انگریزی زبان کو ذریعہ ء اظہار بنانا چاہتے تھے۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم (مرحوم) کے نام اپنے ایک مکتوب مورخہ 2 ستمبر 1925ء میں لکھتے ہیں:

"کچھ مدت ہوئی میں نے اجتہاد پر ایک مضمون لکھا تھا مگر دوران تحریر محسوس ہوا کہ یہ مضمون اس قدر آسان نہیں جیسے کہ میں نے ابتدا میں فرض کیا تھا۔ اس پر تفصیل سے بحث کرنے کی ضرورت ہے۔ موجودہ صورت میں اس قابل نہیں کہ لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں کیونکہ بہت سی باتیں جن کو مفصل بیان کرنے کی ضرورت تھی' اس مضمون میں محض اشارۃً بیان کی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اسے آج تک شائع نہیں کیا۔ اب ان شاء اللہ اسے ایک کتاب کی شکل میں منتقل کرنے کی کوشش کروں گا جس کا عنوان ہو گا: "Islam As I understand it" اس عنوان سے مقصود یہ ہے کہ کتاب کو میری ذاتی رائے سمجھا جائے' جو ممکن ہے' غلط ہو۔

اس کے علاوہ ایک بات (یہ) بھی ہے کہ میری عمر زیادہ تر مغربی فلسفے کے مطالعے میں گزری ہے اور یہ نقطہ ء خیال ایک حد تک طبیعت ثانیہ بن گیا ہے - دانستہ یا نادانستہ اسی نقطہ ء نگاہ سے حقائق اسلام کا مطالعہ کرتا ہوں اور مجھ کو بارہا اس کا تجربہ ہوا ہے کہ اردو میں گفتگو کرتے ہوئے اپنے مافی الضمیر کو اچھی طرح سے ادا نہیں کر سکتا۔"[7]

لیکن بعد میں حقائق اسلام کو مغربی فلسفے میں منتقل کرنے کے لیے آپ نے انگریزی میں جو کتاب لکھنی شروع کی' اسے "Islam as I understand It" کا نام تو نہ دیا گیا بلکہ یہ کتاب "خطبات" کی شکل میں دو قسطوں میں تیار ہوئی اور 1930ء میں شائع ہو کر منظر عام پر آئی۔[8]

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی (مرحوم) کے بقول "خطبات" کی ابتداء اجتہاد کے موضوع پر علامہ اقبال کے ایک مضمون سے ہوئی جو انگریزی زبان میں لکھا گیا تھا اور 31 دسمبر 1924ء کو شیخ عبدالقادر (مرحوم) کے زیر صدارت اسلامیہ کالج کے حبیبیہ ہال میں پڑھا گیا۔ ڈاکٹر چغتائی مزید فرماتے ہیں کہ اسی سال چودھری رحمت علی نے امریکہ سے نکولا اگھنڈیز (Nicholas P. Aghandis) کی ایک کتاب "Mohammaden Theories of Finance" علامہ اقبال کے مطالعہ کے لیے بھجوائی جس میں مندرجہ ذیل جملہ درج تھا:

"بعض احناف اور معتزلہ کا خیال ہے کہ اجماع قرآن اور سنت کو منسوخ کر سکتا ہے۔" اور یہی جملہ علامہ اقبال کی تحقیقی جستجو کے لیے محیر اور خطبات کی تصنیف کا محرک ثابت ہوا۔[9]

خطبات کا پہلا ایڈیشن 1930ء میں چھپا جو کل چھ خطبات پر مشتمل تھا۔ ان میں سے پہلے تین لیکچر مدراس میں اور بقیہ تین لیکچر پہلی بار علی گڑھ میں پڑھے گئے تھے۔ آخری خطبہ اجتہاد کے موضوع پر تھا' اور اس اعتبار سے خطبات کا مرکز و محور یہی خطبہ ہے۔ ساتواں خطبہ جس کا عنوان "Is Religion possible" ہے' پہلی بار 1932ء میں لندن میں ارسٹاٹلین سوسائٹی کے زیر اہتمام پڑھا گیا' خطبات کے تیسرے ایڈیشن میں شامل کیا گیا جو 1944ء میں شائع ہوا۔[10] بہرحال' آخری یعنی ساتویں خطبے کا بھی' پہلے پانچ خطبوں کی طرح' چھٹے خطبے سے جو اس خطبے کے مرکزی موضوع یعنی اجتہاد ہے' ثانوی تعلق ہے۔

چھٹے خطبے کا انگریزی میں عنوان "The Principle of Movement in the structure of Islam" ہے جس کا لفظی ترجمہ اگرچہ "اسلام کی ساخت میں حرکت کا اصول" ہے' لیکن اردو مترجمین نے اس کا ترجمہ بجا طور پر "الاجتہاد فی الاسلام" (سید نذیر نیازی) یا "اسلام میں اجتہاد" (شریف کنجاہی نے) کیا ہے کیونکہ علامہ اقبال نے خود بھی لیکچر پر دیے گئے عنوان کی وضاحت مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے:

"What then is the principle of movement in the structure of Islam? this is known as Ijtilad."[11]

(تو اسلام کی ساخت میں حرکت کا اصول کیا ہے' اسی کو اجتہاد کہا جاتا ہے۔)

لیکن عنوان کے انگریزی الفاظ پر غور کرنے سے ایک اور پہلو بھی سامنے آیا ہے جو کلیدی اہمیت کا حامل ہے (تو اسلام کی ساخت میں حرکت کا اصول کیا ہے' اسی کو اجتہاد کہا جاتا ہے) اور اسے کسی بھی صورت میں نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ خطبے کا آغاز ان الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے:

"As a cultural movement Islam rejects the old static view of the universe, and reaches a dynamic view. As an emotional system of unification it recognizes the worth of the individual as such, and rejects blood - relationship as a basis of human unity.[12]

(ایک تہذیبی تحریک کی حیثیت سے اسلام کائنات کے سکونی تصور کو مسترد کرتے ہوئے ایک متحرک تصور اپناتا ہے اور وحدت انسانی کے ایک جذباتی نظام ہونے کے ناطے فرد کی بحیثیت فرد قدر و منزلت کا قائل ہے اور خونی رشتوں کو انسانی اتحاد کی بنیاد ماننے سے منکر ہے۔)

اور خطبے کا اختتامی جملہ یہ ہے:

"Let the Muslim of to-day appreciate his poxition, reconstruct his social life in the light of ultimate principles, and evolve, out of the hitherto partially revealed purpose of Islam, that spiritual democracy which is the ultimate aim of Islam."[13]

(آج کے مسلم کو چاہیے کہ وہ اپنی معاشرتی زندگی کو' اسلام کے ان مقاصد کو جو ابھی جزوی طور پر ظاہر ہوئے ہیں' اسلام کے اساسی اصولوں پر استوار کر کے اس روحانی جمہوریت کی منزل تک رسائی حاصل کرے جو اسلام کا منتہائے مقصود ہے۔)

اس سیاق و سباق میں دیکھا جائے تو وہ غایت اولی پوری طرح سے واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے جو خطبات لکھنے میں علامہ اقبال کے پیش نظر تھی اور جس کے لیے وہ مسلمانوں کو آمادہ بہ عمل کرنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے حوالے سے خطبے میں نئی وسعتوں اور نئی گہرائیوں کا احساس ہوتا ہے اور بحث اجتہاد کی فقہی اصطلاح کی تنگنائیوں سے چھلکتی ہوئی نظر آتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس خطبے میں اجتہاد کو فقہی اصطلاح کے طور پر بھی زیر بحث لایا گیا ہے جو عصری تقاضوں کو پورا کرنے اور صدیوں پر محیط مسلمانوں کے فکری جمود کو توڑنے کے لیے امت مسلمہ کی ناگزیر ضرورت تھی، مگر علامہ اقبال نے تو اجتہاد کی عمارت قرآن کی ایک ایسی آیت (وان جاھدو فینا لنھدینھم سبلنا) کی اساس پر اٹھائی ہے[14] جس کی رو سے اجتہاد کا دائرۂ کار فقط مسلمانوں کے داخلی مسائل حل کرنے تک محدود نہیں رہتا بلکہ دنیائے انسانیت کے جملہ مسائل کو حل کرنے تک کی وسعت کا حامل ہے۔ خود علامہ اقبال نے اس آیت کی تشریح کے لیے جو الفاظ استعمال کیے ہیں، ان سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ ان کا مخصوص تصور اجتہاد کیا تھا۔ اپنے ایک مداح کے سامنے آپ نے اس آیت کی تشریح مندرجہ ذیل الفاظ میں کی تھی:

> "All efforts in the pursuit of sciences and for the attainment of perfections and high goals in life which in one way or other are beneficial to humanity are man's exertings in the way of Allah.[15]"
>
> (سائنس کی تحقیقات اور زندگی کے اعلیٰ مقاصد اور کمالات کے حصول کے سلسلے میں کی گئی تمام انسانی کاوشیں جو ایک نہ ایک اعتبار سے انسانیت کے لیے مفید ہوں، اللہ کی راہ میں جہاد ہیں۔)

درحقیقت خطبات لکھنے میں علامہ اقبال کے پیش نظر جو اعلیٰ مقصد تھا، وہ عالمگیر انسانی وحدت کے نصب العین کے حصول کے لیے ایک تہذیبی تحریک چلانا تھا۔ اس تحریک کا آغاز "خطبات" کی شکل میں ہوا جو مغرب کی بالادست تہذیب کے ساتھ ایک فکری مکالمے کی صورت اختیار کر گیا۔ گویا فکری سطح پر یہ ایک قسم کی دعوت تھی جس کے ذریعے آپ نے مغربی مفکروں کو اسلام کی تہذیبی تحریک میں اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کی۔ چنانچہ جس تہذیبی تحریک کے وہ داعی ہیں، اس کا تعارف وہ ان الفاظ میں کراتے ہیں:

> "The new culture finds the foundations of world-unity in the principle of Tauhid. Islam, as a polity, is only a practical means of making this principle a living factor in the intellectual and emotional life of mankind.[16]"
>
> (عالمگیر وحدت کے لیے نئی تہذیب (یعنی اسلام) کے ہاتھ توحید کا اصول آ گیا اور ایک نظام مدن و سیاست (Polity) کے طور پر اسلام اس اصول کو بنی نوع انسان کی عقلی اور جذباتی زندگی میں موثر عامل بنانے کا صرف

ایک عملی ذریعہ ہے۔)

خطبہ زیر بحث میں آپ نے لادینیت اور لادینیت کے بطن سے جنم لینے والی جمہوریت اور وطنیت کے بارے میں سخت مایوسی کا اظہار کیا ہے اور مضمون کے آخری پیرے میں دور حاضر کے انسان کی تین بڑی ضرورتوں کا ذکر کرتے ہوئے امت مسلمہ کو روحانی جمہوریت قائم کرنے کی دعوت دی ہے۔[17] اسلامی اور مغربی جمہوریتوں کا تقابل اور موازنہ کرتے ہوئے وہ مغربی جمہوریتوں کو یورپ کی بگڑی ہوئی گمراہ خودی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں جو خود پرستانہ اساس پر قائم ہونے کے باعث قوموں کی تفریق اور امیروں کے مفاد کے لیے غریبوں کے استحصال پر منتج ہوتی ہیں۔[18] اس کے برخلاف روحانی جمہوریت کی اساس چونکہ توحید پر ہے' اس لیے وہ دنیا بھر کے انسانوں کو "الخلق عیال اللہ" کے مصداق "ملت واحدہ" کی شکل میں دیکھنے کی آرزو مند ہے۔

تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملت آدم[19]

خطبات میں علامہ اقبال نے اسی اسلامی دعوت کو آفاقی وسعت دینے کی کوشش کی اور اسی غرض کے پیش نظر آپ نے مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب کے درمیان فکری مکالمے کا اسلوب اختیار کیا اور فکر اسلامی کی توسیع کی ایک ایسی روایت قائم کی جس میں "خز ما صفا ودع ما کدر" کے اصول کو پیش نظر رکھا۔

طلسم علم حاضر را شکستم
ربودم دانہ و دامش گسستم[20]

اسی علمی روایت کو ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے آگے بڑھایا اور شارحین اقبال میں وہی واحد سکالر ہیں جنہوں نے علامہ اقبال کی فکر کو ان کے اپنے موقف کے حوالے سے ٹھیک ٹھیک سمجھا۔ اسی لیے عبدالماجد دریا بادی نے پاکستان میں علامہ اقبال کے بعد ڈاکٹر رفیع الدین کو سب سے بڑا اسلامی مفکر قرار دیا ہے۔[21] ڈاکٹر رفیع الدین کے علاوہ عالمی سطح پر بوسنیا کے صدر ڈاکٹر عالی جاہ عزت بیگ' ایران کے ڈاکٹر علی شریعتی اور فلسطینی نژاد امریکی ڈاکٹر اسمٰعیل الفاروقی شہید کے نام بھی لیے جا سکتے ہیں جو علامہ اقبال سے بہت متاثر ہیں۔ ان کی علمی کاوشوں سے مسلمانوں میں فکری خود اعتمادی اور آفاقی نقطہ ء نظر پیدا ہونے میں بڑی مدد ملی ہے اور یہ وہ نقطہ ء نظر ہے جو علامہ اقبال کے الفاظ میں سم فرنگ کا تریاق ہے۔

کل ساحل دریا پہ کہا مجھ سے خضر نے
تو ڈھونڈ رہا ہے سم افرنگ کا تریاق
اک نکتہ مرے پاس ہے شمشیر کی مانند
برندہ و صیقل زدہ و روشن و براق
کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق[22]

یہ امر قابل توجہ ہے کہ اس ایک نکتے پر زور دینے کے لیے علامہ اقبال نے کیا کیا الفاظ استعمال کیے ہیں۔ شمشیر، برندہ، صیقل زدہ، روشن، براق اور تریاق، اور ان پر مزید زور دینے کے لیے خضر کی سند بھی پیش کی۔ ان کی شاعری کی طرح خطبات کا مرکزی نکتہ بھی یہی ہے، چنانچہ خطبات کا مطالعہ ہمیں اسی نکتے کے حوالے سے کرنا چاہیے۔ یہی وہ مشن تھا جسے پورا کرنے کے لیے علامہ اقبال کا وجدان انہیں عمر بھر پکارتا رہا اور وہ فلسفے کے "حرف بیچا پیچ" اور شاعری کے "حرف نیش دار" سے کام لیتے ہوئے مسلمانوں کے فکر و عمل میں انقلاب برپا کرنے کی تادم زیست جدوجہد کرتے رہے۔ خطبات کا پہلا جملہ ہی یہ ہے:

"The Quran is a book which emphasizes "deed" rather than "idea."[23]

(قرآن ایک ایسی (الہامی) کتاب ہے جو فکر سے زیادہ عمل پر زور دیتی ہے۔)

اور خطبات کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے:

"_____ The world is not something to be merely seen or known through concepts, but something to be made and re-made by continuous action."[24]

فکر اقبال کی گہرائی میں اترنے کے لیے ناگزیر ہے کہ خطبات کو ان کی شاعری کی روشنی میں اور ان کی شاعری کو خطبات کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کی جائے کیونکہ مرکزی خیال تو ایک ہی ہے جسے کہیں تو "حرف بیچا پیچ" (یعنی فلسفہ) کی صورت میں بیان کیا گیا ہے اور کہیں "حرف نیش دار" (یعنی شاعری) کی شکل میں۔ رشید احمد صدیقی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ قدامت پسند علماء کو "خطبات" میں اقبال کے پیش کردہ خیالات کو قبول کرنے میں تو تامل ہوتا ہے، لیکن انہی خیالات کو جب وہ ان کی شاعری میں پڑھتے ہیں تو بے ساختہ قائل ہو جاتے ہیں[25] اس لیے اقبال کو ٹکڑوں میں (Iqbal in parts) سمجھنا ممکن نہیں۔ تمام افکار و خیالات صرف اور صرف ایک ہی پیغام اور مقصد کی وضاحت کے لیے ہیں، لہٰذا انہیں شاعری اور فلسفے کے الگ الگ ٹکڑوں میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے نزدیک مقصد کے سوا سب کچھ ہیچ ہے اور یہی وجہ ہے کہ شاعری کرنے کے باوجود وہ اپنی شاعری کو اپنے لیے ایک تہمت سمجھتے ہیں[26] اور فلسفیانہ مباحث اٹھانے کے باوجود فلسفے کو زندگی سے دوری خیال کرتے ہیں۔ ان کی تمام تر کاوش سخن اور فلسفہ طرازی کا متمائے مقصود فقط یہ ہے کہ اس مقصد اور پیغام پر توجہ دی جائے جو وہ امت مسلمہ کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔

خطبات کے سلسلے میں ایک توجہ طلب امر یہ بھی ہے کہ "اسرار و رموز" میں پیش کردہ خیالات پر تو علامہ اقبال کو اس حد تک اعتماد ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر اس کا ایک حرف بھی حقائق قرآن کے خلاف ہو۔ ان کے ناموس فکر کا پردہ چاک کر دیا جائے بلکہ روز محشر رسول صلی

اللہ علیہ وسلم کے مبارک پاؤں کے بوسے سے بھی محروم کر دیے جائیں۔[28] اس سے زیادہ سخت بددعا اقبال جیسا عاشق رسولؐ اپنے حق میں اور کیا مانگ سکتا تھا! لیکن اس کے برعکس خطبات میں پیش کردہ خیالات کے بارے میں وہ اس قسم کا کوئی دعویٰ نہیں کرتے بلکہ خطبات کے دیباچے میں ہی یہ وضاحت کر دیتے ہیں کہ ان خیالات کو حرف آخر نہ سمجھ لیا جائے' سائنسی اور فلسفیانہ افکار میں تبدیلی اور ترقی کے ساتھ ساتھ ان سے بہتر اور صحیح تر خیالات سامنے آ سکتے ہیں۔[29]

علامہ اقبال کی اس وضاحت کے باوجود بعض سہل پسند اور جلد باز نقاد اور تبصرہ نگار خطبات کو محض فلسفے کی ایک کتاب خیال کرتے ہوئے علامہ اقبال کی فکر کے ڈانڈے نٹشے' ہیگل اور برگساں سے جا ملاتے ہیں اور بعض انتہائی غیر ذمہ دار لوگ تو علامہ اقبال کو مغربی فلاسفہ کا "نمائندہ مفکر" اور ان کے فکر کو "خطرناک مضمرات" کا حامل قرار دینے کی جسارت بھی کر گزرتے ہیں۔[30] شاید ایسے ہی غیر ذمہ دار اور بہتان باز لوگوں کے خلاف علامہ اقبال نے دکھی دل کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور فریاد کی تھی۔

خواجۂ من نگاہ دار آبروے گدائے خویش
آنکہ ز جوے دیگراں پر نکند پیالہ را[31]

ان غیر ذمہ دار لوگوں کو کبھی یہ بھی دیکھ لینا چاہیے کہ ان فلاسفہ کے بارے میں فردا" فردا" علامہ اقبال کیا رائے رکھتے ہیں۔ مثلاً نٹشے کے بارے میں آپ نے فرمایا۔

اگر ہوتا وہ مجذوب فرنگی اس زمانے میں
تو اقبال اس کو سمجھاتا مقام کبریا کیا ہے[32]

ہیگل کے بارے میں یہ رائے دی۔

ہیگل کا صدف گہر سے خالی
ہے اس کا طلسم سب خیالی[33]

برگساں کے بارے میں ارشاد ہوا۔

تو اپنی خودی اگر نہ کھوتا
زناری برگساں نہ ہوتا[34]

فلسفے کے بارے میں علامہ اقبال کا اصل موقف معلوم کرنے کے لیے خطبات کے دیباچے کے آخری چند جملے اور "ضرب کلیم" کی ایک نظم بعنوان "ایک فلسفہ زدہ سید زادے کے نام" کا مطالعہ ہی کافی ہے' اس لیے یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ خطبات کا اصل موضوع قرآن کی جدیدیت کو ثابت کرنا ہے' فلسفہ پیش کرنا نہیں۔

خلاصہ

طویل غور و فکر اور آخرکار ایک روحانی تجربے نے "باطن ایام" کو علامہ اقبال پر روشن کر دیا تھا جس میں انہیں مسلم اقوام اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی منزل قریب آتے دکھائی دے رہی

تھی اور عالمی سطح پر رونما ہونے والی سیاسی تبدیلیوں اور تہذیبی شکست و ریخت کے نتیجے میں آپ کو اسلام، مستقبل کے نئے عالمی نظام کی حیثیت سے واضح طور پر نظر آ رہا تھا، اس لیے آپ نے نہایت شدت کے ساتھ یہ محسوس کیا کہ مسلمانوں کو آفاقی نقطہ ء نظر اپنانا چاہیے۔ چنانچہ ایک ایسے زمانے میں جب کہ مسلمان پوری طرح مغربی استعمار کی گرفت میں تھے، آپ نے مشرقی و مغرب کے مابین ایک فکری مکالمے کی بنیاد رکھی جس کے لیے قرآنی حقائق کو جدید، سائنسی اور فلسفے کی، زبان میں پیش کرنا ضروری تھا تاکہ پوری دنیا کو باور کرایا جا سکے کہ اسلام عصری مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہے، اور دوسری طرف وہ مسلمانوں میں اجتہادی سپرٹ کو بیدار کر کے انہیں پیش آمدہ روحانی، فکری، معاشی اور سیاسی بحرانوں سے نبرد آزما ہونے کے قابل بنانا چاہتے تھے، اور ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مسلمان جدید فکر کی روشنی میں قرآنی حقائق کو سمجھنے اور سمجھانے اور عصری مسائل کو حل کرنے کی استعداد کو ترقی دے سکیں تاکہ دور جدید میں دنیا کے سامنے اسلام کو نئے عالمی نظام کی حیثیت سے پیش کیا جا سکے۔

علامہ اقبال کے نزدیک اسلام محض مسلمانوں ہی کا نہیں بلکہ ایک عالمی نظریہ ء حیات ہے لہٰذا "خطبات" کا اصل موضوع وہ مسائل ہیں جو اسلام کی آفاق گیری اور امت مسلمہ کی حیات مستقبلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کی اشاعت کے ساٹھ سال بعد بھی دنیا بھر کے اسلامی مفکرین اس کتاب سے مدد لینے پر مجبور ہیں اور غیر مسلم مفکر بھی فہم اسلام کے حوالے سے خطبات کو ایک انتہائی معتبر کتاب شمار کرتے ہیں۔ رواں صدی میں اس موضوع پر صرف دو ایسی کتابیں مزید شائع ہوئی ہیں جنہیں اسی سلسلے کی کڑیاں شمار کیا جا سکتا ہے۔ پہلی کتاب ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی شہرہ آفاق تصنیف "Ideology of the Future" ہے اور دوسری اہم کتاب کا نام "Islam between East and West" ہے جو بوسنیا کے صدر عالیجاہ عزت بیگ نے لکھی ہے۔ ان دونوں کتابوں کا مرکزی موضوع (Theme) بھی وہی ہے جو خطبات میں علامہ اقبال کے پیش نظر تھا، لہٰذا ان دونوں کتابوں کو خطبات کی توسیع قرار دیا جا سکتا ہے۔

حواشی

-1 جاوید اقبال (ڈاکٹر)' زندہ رود (جلد اول) شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور (ص 129)
-2 محمد اقبال' کلیات اقبال (اردو) شیخ غلام علی اینڈ سنز 1973ء لاہور (ص 141)
-3 ایضاً (ص 140)

4- Prof. Muhammad Monawwer, "Allama Iqbal on Quranic Status, The News (Nov. 9, 1993) Lahore

5- Ibid.

6- Ibid.

-7 شیخ عطاء اللہ' اقبالنامہ (جلد اول) شیخ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور (ص 401)
-8 ڈاکٹر محمد رفیع الدین ہاشمی' تصانیف اقبال' اقبال اکادمی پاکستان لاہور (ص 317)
-9 ڈاکٹر سید محمد عبداللہ' متعلقات خطبات اقبال' علامہ اقبال کا جنوبی ہند کا سفر از ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی اقبال اکادمی پاکستان لاہور (ص 17)
-10 حوالہ محولہ نمبر 8 (ص 323)

11- M.Saeed Shaikh Ed. The Reconstruction of Religious Thought in Islam, Allam Muhammad Iqbal, Institute of Islamic culture, club Road, Lahore (Pg:117)

12- Ibid (Pg 116)

13- Ibid (Pg 142)

14- Ibid (Pg 117-118)

15- Ibid (Pg 189)

16- Ibid (Pg 117)

17- Ibid (Pg 142)

18- Ibid (Pg 142)

-19 حوالہ محولہ بالا نمبر 2 (ص 520)
-20 محمد اقبال' کلیات (فارسی) شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور 1973ء (ص 934)
-21 عبدالماجد دریا بادی' صدق جدید 26 مئی 1967ء (اصلی علاج: تجزیہ و تبصرہ)
-22 حوالہ محولہ بالا نمبر 2 (ص 505-506)

23- Opt. Cit (No11, Pg xxi)

24- Opt. cit (No 11, Pg 157)

25- ابوالحسن علی ندوی، نقوش اقبال، دیباچہ رشید احمد صدیقی، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد کراچی 1973ء (ص 22)

26- حوالہ محولہ بالا نمبر20 (ص 538) ۔

نہ بینی خیرازاں مرد فرودست　　کہ بر من تہمت شعر و سخن بست

27- حوالہ محولہ بالا نمبر2 (ص 480) ۔

انجام خرد ہے بے حضوری　　ہے فلسفہ زندگی سے دوری

28- حوالہ محولہ بالا نمبر20 (ص 168)

29- Opt. Cit (No 11, Pg xxi)

30- ڈاکٹر وحید قریشی، اقبالیات (36 : 2) جولائی۔ ستمبر اقبال اکادمی پاکستان دیکھیے علامہ اقبال پر ڈاکٹر عشرت حسن انور کی تنقید کا جائزہ از خضر یٰسین "علامہ اقبال جنوبی ایشیا میں ہیگل کی منہاج کے نمائندہ مفکر تھے" (ص 121) "ڈاکٹر عشرت حسن انور صاحب نے وحدت ادیان پر جو اصرار فرمایا ہے، اس کے مضمرات علامہ اقبال کے تصور سے کہیں زیادہ خطرناک ہیں (ص 126)۔

31- حوالہ محولہ بالا نمبر20 (ص 399)

32- حوالہ محولہ بالا نمبر2 (ص 348)

33- ایضاً (ص 480)

34- ایضاً (ص 480)